بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حرفِ آغاز

خدمتِ خلق کے کچھ اور پہلو[1]

سید جلال الدین عمری

مالی تعاون کرنا

خدمت اور حسنِ سلوک کی مختلف صورتیں ہیں۔ یہ زبان سے بھی ہوتا ہے اور اپنے شریفانہ رویہ سے بھی۔ اس کی ایک صورت مالی تعاون بھی ہے۔ ان میں سے ہر ایک کی ضرورت اور اہمیت ہے لیکن مالی تعاون کی اہمیت بعض اوقات بہت بڑھ جاتی ہے۔ اگر آدمی حق دار کا حق نہ پہچانے اور کمزوروں، مجبوروں اور محروموں کی مالی اعانت نہ کرے تو میٹھی باتوں اور ہمدردی کے زبانی اظہار سے کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ اس سے ان کی مشکلات دور نہیں ہوسکتیں۔ قرآن نے اس طرف خاص طور سے توجہ دلائی ہے۔ ایک جگہ ارشاد ہے۔

لَیْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ	نیکی یہ نہیں ہے کہ تم اپنے چہروں کو مشرق
قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ	یا مغرب کی طرف کرلو بلکہ نیکی یہ ہے کہ آدمی
الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ	اللہ پر، آخرت کے دن پر، فرشتوں پر،
الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ	اس کی کتاب پر اور نبیوں پر ایمان لائے،
وَالنَّبِیّٖنَ ۚ وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى	اور مال کی محبت کے باوجود اسے یتیموں،
حُبِّهٖ ذَوِی الْقُرْبٰى وَالْیَتٰمٰى	مسکینوں، مسافروں، سوال کرنے والوں
وَالْمَسٰكِیْنَ وَابْنَ السَّبِیْلِ ۙ وَ	پر اور غلاموں کے لیے خرچ کرے اور
السَّآئِلِیْنَ وَفِی الرِّقَابِ ۚ وَ	نماز قائم کرے اور زکوٰۃ دے۔ نیک وہ

[1] سلسلہ کے لیے ملاحظہ ہو 'تحقیقاتِ اسلامی' جولائی، ستمبر ۸۶ء

اَقَامَ الصَّلٰوۃَ وَاٰتَى الزَّکٰوۃَ	ہیں جو عہد کرتے ہیں تو اپنے عہد کو
وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا	پورا کرتے ہیں۔ خاص طور پر وہ لوگ جو
عٰهَدُوْا وَالصّٰبِرِيْنَ فِي	فقر و فاقہ اور تنگی میں اور جنگ کے
الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ	وقت صبر کرتے ہیں۔ یہی راست باز
الْبَاْسِ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا	ہیں اور یہی متقی ہیں۔
وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ○	

(البقرہ : ۱۷۷)

اس آیت میں پہلے اہل کتاب کی رسمی دین داری پر تنقید کی گئی ہے، اس کے بعد حقیقی دین داری کا بیان ہوا ہے۔ یہاں 'برّ' کا لفظ بڑا اہم ہے۔ اس کے معنی حقوق ادا کرنے کے ہیں۔ اس میں اللہ تعالیٰ کے حقوق بھی آتے ہیں اور بندوں کے حقوق بھی[1]۔ دونوں ہی کے حقوق کا پہچاننا ضروری ہے۔ آدمی برّ و تقویٰ کے بلند مقام کو اسی وقت پا سکتا ہے جب کہ اس کے دل میں ایمان کا نور جگمگا رہا ہو اور وہ قرابت داروں، یتیموں، مسکینوں، مسافروں، سوال کرنے والوں، محکوموں اور غلاموں اور معاشرہ کے دیگر کم زور افراد اور طبقات پر محنت سے کمائی ہوئی اپنی دولت صرف کرے۔ نماز اور زکوٰۃ کا ذکر بھی اسی حقیقت کو سمجھانے کے لیے ہے۔ نماز اللہ سے تعلق اور زکوٰۃ انسانوں کی خدمت کی بالکل متعین شکلیں ہیں۔ بعض دوسری آیتوں میں یہ حقیقت واضح کی گئی ہے کہ انسان کا مال تنہا اس کا نہیں ہے بلکہ اس میں معاشرہ کے کم زوروں اور ناداروں کا حق ہے اس حق کا ادا کرنا اس کے لیے ضروری ہے۔ سورہ بنی اسرائیل میں ہے:

وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ	قرابت دار کو اس کا حق اور مسکین اور
وَابْنَ السَّبِيْلِ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا ○	مسافر کو اس کا حق دو اور فضول خرچی
اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْٓا اِخْوَانَ	نہ کرو۔ بے شک فضول خرچ کرنے والے

---

[1] علامہ حمید الدین فراہیؒ فرماتے ہیں۔ البرا صلہ ایفاء الحق فتفرع منہ ما یکون ایفاء للحقوق الاصلیۃ من الطاعۃ للرب والابوین والمواساۃ بالناس ومن ھذہ الجھۃ صار بمعنی الاحسان واشتمل الخیرات وصار وصفا للرب تعالیٰ (مفردات القرآن ۲۹)

الشَّیٰطِیۡنِ ؕ وَکَانَ الشَّیۡطٰنُ لِرَبِّہٖ	شیطان کے بھائی ہیں اور شیطان
کَفُوۡرًا ○ (بنی اسرائیل: ۲۶-۲۷)	اپنے رب کا ناشکرا ہے۔

یہاں یہ بتانے کے بعد کہ انسان کے مال میں دوسروں کا بھی حق ہے، اسراف اور تبذیر سے منع کیا گیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جو شخص اسراف اور تبذیر میں مبتلا ہو وہ دوسروں کا حق پہچان نہیں سکتا۔

یہی آیت ایک دوسرے سیاق میں سورۂ روم میں آئی ہے۔

اَوَلَمۡ یَرَوۡا اَنَّ اللّٰہَ یَبۡسُطُ الرِّزۡقَ	کیا یہ دیکھتے نہیں کہ اللہ تعالیٰ جس کا چاہتا
لِمَنۡ یَّشَآءُ وَیَقۡدِرُ ؕ اِنَّ فِیۡ	ہے رزق کشادہ کر دیتا ہے اور جس کا
ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوۡمٍ یُّؤۡمِنُوۡنَ ○	چاہتا ہے تنگ کر دیتا ہے۔ یقیناً اس
فَاٰتِ ذَا الۡقُرۡبٰی حَقَّہٗ وَ	میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو
الۡمِسۡکِیۡنَ وَابۡنَ السَّبِیۡلِ ؕ	ایمان رکھتے ہیں۔ (جب یہ حقیقت ہے
ذٰلِکَ خَیۡرٌ لِّلَّذِیۡنَ یُرِیۡدُوۡنَ	کہ جس کے پاس جو کچھ ہے وہ اللہ ہی
وَجۡہَ اللّٰہِ ۫ وَاُولٰٓئِکَ ہُمُ	کا دیا ہوا ہے) تو تم قرابت دار کو اس کا
الۡمُفۡلِحُوۡنَ ○	حق اور مسکین اور مسافر کو اس کا حق دو
(روم: ۳۷-۳۸)	یہ بہتر ہے ان لوگوں کے لیے جو اللہ تعالیٰ
	کی رضا چاہتے ہیں اور وہی فلاح پانے والے ہیں۔

سورۂ بنی اسرائیل اور سورۂ روم دونوں ہی مکی سورتیں ہیں، مکہ میں زکوٰۃ فرض نہیں ہوئی تھی، لیکن ان آیات میں قرابت داروں، مسکینوں اور مسافروں کا حق بیان ہوا ہے۔ امام رازی سورۂ روم کی آیت کے ذیل میں فرماتے ہیں۔ اس میں ان لوگوں کا ذکر ہے جن کے ساتھ حسن سلوک کرنا واجب ہے۔ جس شخص کے پاس مال ہو، چاہے اس پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہو یا نہ ہوتی ہو، چاہے اس پر حولانِ حول ہو چکا ہو یا نہ ہو چکا ہو اسے ان کے ساتھ حسن سلوک بہرحال کرنا ہوگا۔ اس لیے کہ یہاں (زکوٰۃ کا نہیں) مخلوق کے ساتھ عام شفقت کا ذکر ہے۔ یہ تینوں طبقات وہ ہیں جن کے ساتھ احسان کا رویہ اختیار کرنا ضروری ہے، چاہے احسان کرنے والے کے پاس زائد از ضرورت مال ہو یا نہ ہو۔[1]

---

[1] رازی: تفسیر کبیر: ۶/ ۵۶۴

ان آیتوں پر ایک اور پہلو سے بھی غور فرمائیے ان میں یہ تصور دیا گیا ہے کہ معاشرہ کے کمزور افراد پر انسان مال خرچ کرکے ان پر کوئی احسان نہیں کرتا بلکہ یہ ان کا حق ہے جسے وہ ادا کرتا ہے۔ یہی تصور سرمایہ دار کو کمزوروں کے استحصال سے روکتا ہے۔ اگر دولت مند کو یہ احساس ہو کہ اس کے پاس جو دولت ہے اس میں دوسروں کا حق ہے، اس حق کا ادا کرنا اس کے لیے ضروری ہے تو وہ کشمکش نہیں پیدا ہو سکتی جو غریب اور امیر کے درمیان آج پائی جاتی ہے۔

قرض کے ذریعہ مدد کرنا

بعض اوقات آدمی کو اپنی معاشی حالت ٹھیک کرنے یا کسی ناگہانی ضرورت کو پورا کرنے کے لیے مالی مدد کی سخت ضرورت ہوتی ہے۔ یہ مدد نہ پہونچے تو اس کے حالات زیادہ خراب ہو سکتے ہیں اور اس کی مشکلات میں اضافہ ہو سکتا ہے۔ اس مدد کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ اسے قرض دیا جائے تاکہ وہ بروقت اپنی ضرورت بھی پوری کرلے اور پھر قرض دینے والے کو اس کی رقم بھی واپس کردے۔ یہ بھی دراصل کسی ضرورت مند کے ساتھ تعاون کی ایک صورت ہے احادیث میں اس کی فضیلت اور ثواب بیان ہوا ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

ما من مسلم یقرض مسلمًا قرضًا مرتین الا کان کصدقتہا مرۃً [1]	جو مسلمان کسی مسلمان کو دو مرتبہ قرض دیتا ہے وہ گویا ایک مرتبہ صدقہ کرتا ہے۔

امام شوکانی فرماتے ہیں کہ قرض کی فضیلت کے سلسلے میں احادیث موجود ہیں۔ ان کی تائید قرآن وحدیث کے ان عمومی بیانات سے بھی ہوتی ہے جن میں مسلمانوں کی ضرورت پوری کرنے، ان کا تعاون کرنے، ان کی مشکلات کو رفع کرنے اور ان کے فقروفاقہ کو دور کرنے کی صراحت ہے۔ اس میں قرض دینا بھی شامل ہے۔ مسلمانوں کے درمیان

---

[1] ابن ماجہ: ابواب الصدقات، باب القرض۔ اس حدیث کی سند پر تنقید کی گئی ہے، دارقطنی نے کہا ہے کہ یہ حضرت عبداللہ بن مسعود کا قول ہے۔ ملاحظہ: نیل الاوطار ۵/۲۲۷

اس کے جائز ہونے میں کوئی اختلاف نہیں ہے" ابن رسلان کہتے ہیں۔ اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ وقت ضرورت آدمی قرض کی درخواست کر سکتا ہے، اس کی وجہ سے قرض مانگنے والے کے مقام میں کوئی کمی واقع نہیں ہوتی اگر اس میں کوئی قباحت ہوتی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم قرض نہ لیتے[۱]

کاروباری زندگی میں قرض کی بڑی اہمیت ہے اس سے کسی کاروبار کے شروع کرنے، اسے جاری رکھنے اور وقتاً فوقتاً پہونچنے والے نقصانات کو پورا کرنے میں مدد ملتی ہے۔ موجودہ دور میں تو قرض کاروبار کا ایک ضروری جزء بن گیا ہے صورت حال یہ ہے کہ قرض کا لین دین بند ہو جائے تو بڑے بڑے کاروباری ادارے ختم ہو جائیں۔ لیکن آج کا مادی ذہن قرض کو مادی منفعت کا بہترین ذریعہ تصور کرتا ہے۔ اس کی ایک دلیل یہ دی جاتی ہے کہ قرض دار جب قرض سے خود نفع حاصل کرتا ہے تو قرض دینے والے کو بھی اس کا ایک حصہ ملنا چاہیے یہ بات صحیح نہ ہوگی کہ جس شخص نے قرض دیا ہے اسی کو نظر انداز کر کے اس کے پیسے سے تنہا قرض دار فائدہ اٹھاتا چلا جائے۔

دوسرے یہ کہ آج پوری دنیا میں سکہ کی قیمت میں کمی کا عام رجحان ہے، اس وقت بازار میں سو روپیے کی جو قیمت ہے ایک سال میں وہ گھٹ کر اسی یا نوے روپیے ہو جائے گی۔ اس طرح ایک سال کے بعد سو روپے کی واپسی کا مطلب اصلاً اسی یا نوے روپیے کی واپسی ہوتی ہے۔ اس میں قرض دینے والے کا سراسر نقصان ہے اسی قسم کے دلائل کی بنیاد پر سود کے لیے وجہ جواز فراہم کی جاتی ہے۔

اسلام اس مادی ذہن کے خلاف ہے۔ وہ قرض کو نفع حاصل کرنے کا ذریعہ نہیں سمجھتا بلکہ اس کے نزدیک یہ ایک طرح کا احسان ہے جو کسی ضرورت مند کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ اس کا تقاضا یہ ہے کہ قرض دار سے سکہ کی قیمت کی روز افزوں کمی کا حساب کر کے سود در سود وصول کرنے کی جگہ اس کے ساتھ ممکنہ رعایت کی جائے۔ وہ ادائیگی کے لیے مزید وقت اور مہلت مانگے تو اسے مزید وقت اور مہلت دی جائے اور مالی مشکلات کی وجہ سے وہ قرض ادا نہ کر سکے تو اسے معاف بھی کر دیا جائے قرآن مجید میں سود کی حرمت کے اعلان

---

[۱] نیل الاوطار: ۵/ ۳۴۷

کے ساتھ قرض کے سلسلے میں اسی اعلیٰ اخلاقی رویہ کی تعلیم دی گئی ہے۔ ارشاد ہے۔

یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ	اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور
وَذَرُوْا مَا بَقِیَ مِنَ الرِّبٰوٓا	جو سود تمہارا دوسروں پر رہ گیا ہے
اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ۝ فَاِنْ	اسے چھوڑ دو اگر واقعی تم ایمان لائے
لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ	ہو۔ اگر تم یہ نہیں کرتے ہو تو اللہ اور اس
مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۚ وَاِنْ	کے رسول سے جنگ کے لیے تیار ہو جاؤ
تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِكُمْ	اگر تم سود لینے سے توبہ کر لو تو تمہیں اپنا
لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ ۝	اصل مال لینے کا حق ہے۔ نہ تم کسی پر
وَاِنْ كَانَ ذُوْ عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ	ظلم کرو گے اور نہ کوئی دوسرا تم پر ظلم
اِلٰى مَیْسَرَةٍ ۚ وَاَنْ تَصَدَّقُوْا	کرے گا۔ قرض دار تنگ دست ہے تو
خَیْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝	اس کی کشائش تک اسے مہلت دو اور
وَاتَّقُوْا یَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِیْهِ	بخش دو تو یہ تمہارے لیے بہتر ہے،
اِلَى اللّٰهِ ۗ ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ	اگر تم جانو۔ اور ڈرتے رہو اس دن سے
مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا یُظْلَمُوْنَ ۝	کہ جس دن تم اللہ کی طرف لوٹائے
	جاؤ گے پھر ہر نفس نے جو کچھ یہاں کمایا ہے
(البقرہ: ۲۷۸-۲۸۱)	اس کا پورا بدلہ اسے دیا جائے گا اور ان
	پر ظلم نہ ہوگا۔

احادیث میں ایک طرف تو قرض دار کو بہتر طریقے سے قرض ادا کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور دوسری طرف قرض دینے والے کو ہدایت کی گئی ہے کہ وہ قرض دار کے ساتھ نرمی کا معاملہ کرے۔

حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص سے اونٹ قرض لیا تھا۔ وہ آپؐ سے بڑی درشتی کے ساتھ (غالباً وہ یہودی یا بدوی تھا) مطالبہ کرنے لگا صحابہ کرام نے اس کا سخت جواب دینا چاہا تو آپ نے فرمایا دَعُوْهُ فَاِنَّ لِصَاحِبِ الْحَقِّ مَقَالًا (جانے دو جس کا حق ہے اسے سختی سے بولنے کا حق ہے) ایک اونٹ خرید کر اسے دے دو۔ صحابہ نے عرض کیا اس نے جس عمر کا اونٹ دیا تھا وہ تو نہیں ہے

البتہ اس سے بہتر اونٹ مل رہا ہے آپؐ نے فرمایا وہی خرید کر دے دو' فان خیرکم احسنکم قضاءً' (اس لیے کہ تم میں بہتر آدمی وہ ہے جو تم میں اچھے طریقے سے اپنا قرض ادا کرے) [1]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرض دار کے ساتھ نرمی کا معاملہ کرنے کی فضیلت ان الفاظ میں بیان فرمائی ہے۔

من انظر معسرًا او وضع عنہ اظلہ اللہ فی ظلہ [2]	جس نے کسی تنگ دست کو مہلت دی یا قرض کو معاف کر دیا اللہ تعالیٰ اسے اپنے سایہ میں جگہ دے گا۔

حضرت ابوہریرہ کی روایت ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

من انظر معسرًا او وضع لہ اظلہ اللہ یوم القیامۃ تحت ظل العرش یوم لاظل الاظلہٗ [3]	جس نے کسی تنگ دست کو مہلت دی یا اس کے قرض کو معاف کر دیا تو اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اسے عرش کے سایہ میں جگہ دے گا جس روز کہ اس کے سایہ کے سوا کوئی دوسرا سایہ نہ ہوگا۔

حدیث میں آتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک شخص کو اللہ تعالیٰ نے دولت دی تھی وہ لوگوں کو قرض دیا کرتا تھا، اس نے ملازمین کو تاکید کر رکھی تھی۔ ان انظروا المعسر وتجاوزوا الموسر (جو تنگ حال ہے قرض کے وصول کرنے میں اسے مہلت دیں اور جو خوش حال ہے اس سے ادائیگی میں کچھ کمی بیشی ہو تو نظر انداز کر دیں) اللہ تعالیٰ نے اس کے اس نیک عمل کی وجہ سے اسے جنت میں داخل کر دیا [4]

ایک مرتبہ ایک قرض دار نے قرض خواہ سے رعایت کا مطالبہ کیا اس پر دونوں میں

---

[1] بخاری، کتاب فی الاستقراض، باب استقراض الابل، مسلم کتاب المساقات، باب جواز اقتراض الحیوان الخ

[2] مسلم، کتاب الزہد باب حدیث جابر الطویل وقصۃ ابی الیسر۔

[3] ترمذی، ابواب البیوع باب ماجاء فی انظار المعسر

[4] بخاری، کتاب البیوع، باب من انظر معسرًا۔ مسلم، کتاب المساقات باب فضل انظار المعسر الخ

تکرار ہونے لگی، قرض خواہ نے قسم کھا کر کہا میں سی قسم کی رعایت نہیں کروں گا۔ آپ حجرے سے باہر تشریف لائے اور فرمایا نیکی نہ کرنے کی قسم کس نے کھائی تھی؟ اس نے کہا حضور میں نے ہی قسم کھائی تھی (یہ میری غلطی تھی) اب وہ جو صورت بھی پسند کرے اس پر عمل کرسکتا ہے[1]

ابن ابی حدرد نے حضرت کعب بن مالکؓ سے قرض لیا تھا انھوں نے اس کا مطالبہ کیا وہ مجبوری کی وجہ سے ادا نہیں کر پا رہے تھے جب بات بڑھی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت کعب کو آواز دی اور اشارے سے فرمایا، نصف معاف کردو اور نصف لے لو چنانچہ انھوں نے صرف آدھا قرض وصول کیا اور آدھا معاف کر دیا[2]

قرض کا پیسہ ڈوب جائے یا قرض دار اسے ادا نہ کرسکے تو اس کے احکام و مسائل الگ ہیں یہاں ان سے بحث نہیں ہے۔ یہاں صرف یہ بتانا مقصود ہے کہ کسی ضرورت مند کو قرض دینا اس کی خدمت اور تعاون ہے اس کا معاوضہ ڈھونڈھنا اسلامی تعلیم کے خلاف ہے۔ جسے قرض دیا جائے اس کے ساتھ لطف و محبت اور نرمی کا رویہ اختیار کرنا، اس کی کمزوری سے فائدہ نہ اٹھانا، اس کی مجبوریوں کی رعایت کرنا اور اسے ممکنہ سہولتیں فراہم کرنا یہ سب حسن سلوک اور خدمت کی تعریف میں آتا ہے۔

ضرورت کی چیز ہبہ کرنا

خدمت اور حسن سلوک کی ایک شکل یہ بھی ہے کہ کسی کو اس کی ضرورت کی کوئی چیز ہبہ کردی جائے۔ لسان العرب میں ہبہ کی تعریف ان الفاظ میں کی گئی ہے، العطیۃ الخالیۃ عن الاعواض والاغراض[3] ہبہ اس عطیے کو کہا جاتا ہے جو کسی بدلے یا غرض سے خالی ہو۔

علامہ نسفی کہتے ہیں۔

ھی تملیک العین بلاعوض[4] — کسی چیز کا مالک بنا دینا اس کا عوض لیے بغیر

اس کا مطلب یہ ہے کہ جو چیز ہبہ کی جائے اس کے بدلے میں کوئی چیز نہ لی جائے اور اس سے کوئی غرض بھی وابستہ نہ ہو بلکہ جو چیز ہبہ کی جائے وہ محض اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی

---

[1] بخاری کتاب الصلح باب ھل یشیر الامام بالصلح۔ مسلم باب استحباب الوضع فی الدین [2] حوالہ سابق۔
[3] ابن منظور، لسان العرب مادہ و۔ہ۔ب [4] کنز الدقائق / ۳۰۸

کے لیے کی جائے۔ حدیث میں آتا ہے کہ آدمی ہبہ کی ہوئی چیز کو قیمتًا بھی نہ خریدے۔ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک شخص کو جو جہاد میں جا رہا تھا ایک عمدہ گھوڑا ہبہ کیا۔ لیکن وہ شخص مالی لحاظ سے کم زور تھا، گھوڑے کی ٹھیک سے دیکھ بھال نہ کرسکا، اس کی وجہ سے گھوڑا ضائع ہونے لگا، مجھے خیال ہوا کہ شاید وہ اسے فروخت کردے۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا تو آپؐ نے فرمایا:

لا تشتره وان اعطاکه بدرهم واحد فان العائد فی صدقته کالکلب یعود فی قیئه[1]

اسے نہ خریدو، چاہے وہ ایک درہم ہی میں وہ تمہیں کیوں نہ دے۔ اس لیے کہ جو شخص اپنی صدقہ کی ہوئی چیز کو واپس لیتا ہے اس کی مثال ایسی ہی ہے جیسے کتا قے کرکے اسے دوبارہ چاٹنے لگے۔

یہ بہت چھوٹی حرکت ہے کہ آدمی کسی کو کوئی چیز دے کر پھر اسے واپس لے لے۔ اس سے نفس کے اندر ہمدردی اور محبت کے جو پاک جذبات ایک مرتبہ پیدا ہوئے تھے وہ مجروح ہوتے ہیں اور مال کی محبت زیادہ شدت کے ساتھ ابھر آتی ہے۔ ہبہ یا صدقہ کی ہوئی چیز کو دوبارہ لینے کا مطلب یہ ہے کہ آدمی اپنے اس اقدام پر پچھتا رہا ہے یا جسے اس نے ہبہ کیا ہے۔ اسے نقصان پہونچانا چاہتا ہے۔ اگر آدمی کسی کے ساتھ ہمدردی اور محبت کا اقدام نہ کرے تو شاید اس کی سیرت کو اتنا نقصان نہیں پہونچ سکتا جتنا کہ اٹھائے ہوئے قدم کو واپس لینے سے پہونچ سکتا ہے۔ ہبہ کی ہوئی چیز کو خریدنے سے بھی اس لیے منع کیا گیا ہے کہ اس میں یہ امکان ہے کہ ہبہ کرنے والا اپنے سابقہ احسان سے فائدہ اٹھائے اور جسے ہبہ کیا گیا ہے وہ بھی اس کے ساتھ بادل ناخواستہ ہی سہی رعایت کرنے پر مجبور ہوجائے۔[2]

---

[1] بخاری، کتاب الهبة، باب لایحل لاحدان یرجع فی هبته وصدقته۔ مسلم، کتاب الهبات، باب کراهة شراء الانسان ما تصدق۔ [2] فقہ حنفی کی رو سے ہبہ سے رجوع کرنے میں بعض موانع نہ ہوں تو ہبہ کرنے والے کو رجوع کا اختیار ہے لیکن اسے مکروہ تنزیہی بلکہ مکروہ تحریمی کہا گیا ہے (در المختار مع رد المحتار ۴/۷۰۹ اور اس سے آگے) امام شافعی، امام مالک اور امام اوزاعی کے نزدیک اس حدیث کا تعلق کسی اجنبی کو ہبہ کرنے سے ہے۔ اگر اولاد یا ان کی اولاد۔ یہ سلسلہ جہاں تک بھی چلا جائے۔ کو ہبہ کیا گیا ہے تو اس سے رجوع بھی ہوسکتا ہے (نووی شرح مسلم ۲/۳۶) تفصیلات فقہ کی کتابوں میں دیکھی جاسکتی ہیں۔

کوئی چیز عاریتاً دینا

خدمت اور تعاون کی ایک شکل یہ ہے کہ کسی ضرورت مند کو عاریتاً کوئی چیز دی جائے، تاکہ وہ ایک متعین مدت تک فائدہ اٹھانے کے بعد اسے واپس لوٹا دے، حدیث میں اسے بھی بہترین صدقہ اور عطیہ کہا گیا ہے، حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

نعم الصدقة اللقحة الصفی منحة، الشاة الصفی منحة تغدو باناء وتروح بآخر[1]	بہترین صدقہ یہ ہے کہ کسی کو بطور عطیہ (چند دن کے لیے) بہت ہی عمدہ گابھن اونٹنی دی جائے جو (جلدی خوب دودھ دینے والی ہو) یا عمدہ بکری دی جائے جو صبح ایک برتن بھر کر اور شام ایک برتن بھر کر دودھ دے۔

یہ بخاری کی روایت ہے، مسلم کی روایت کے الفاظ یہ ہیں۔

الا رجل یمنح اهل بیتٍ ناقةً تغدو بعُسٍ وتروح بعُسٍ ان اجرها لعظیم[2]	جو شخص کسی گھر والے کو اونٹنی دے جو اُسے صبح ایک بڑا برتن بھر کر اور شام ایک بڑا برتن بھر کر دودھ دے تو اس کا اجر بیشک بڑا ہے۔

حضرت براء بن عازبؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

من منح منیحة لبن او ورقٍ او هدی زقاقاً کان له مثل عتق رقبةٍ[3]	جو شخص چند دن کے لیے کسی کو دودھ دینے والا جانور دے یا روپیہ قرض دے یا کسی کو راستہ دکھا دے تو اس کا اتنا ثواب ہوگا جتنا ایک غلام آزاد کرنے کا ثواب ہے۔

---

[1] بخاری، کتاب الاشربة، باب شرب اللبن

[2] مسلم کتاب الزکاۃ، باب فضل المنیحة

[3] ترمذی، ابواب البر والصلہ، باب ماجاء فی المنحہ۔

چاندی دینے سے یہاں مراد جیسا کہ امام ترمذی نے لکھا ہے قرض ہے[۱]
'ھدی زقاقاً' کا ایک ترجمہ تو یہی ہے کہ اس نے راستہ دکھایا یہی الفاظ سے قریب تر ہے[۲] لیکن بعض لوگوں نے اسے 'ھدّی زقاقاً' بھی روایت کیا ہے۔ زقاق، تنگ گلی اور درختوں کی رو کو کہتے ہیں[۳]۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ حدیث میں اس شخص کا ثواب بیان ہوا ہے جس نے اپنے باغ میں سے درختوں کی ایک رو کسی کو تحفہ کے طور پر دے دی۔

ان حدیثوں کے دو تین پہلو اہم اور قابل غور ہیں:۔

ایک یہ کہ بطور قرض جو رقم دی جاتی ہے یا عارضی طور پر فائدہ اٹھانے کے لیے جو جانور دیا جاتا ہے اسے ان حدیثوں میں صدقہ اور منیحہ (عطیہ) سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے گو کہ یہ چیزیں ایک خاص مدت کے بعد واپس ہو جاتی ہیں لیکن ان کے ذریعہ مشکل وقت میں انسان کی مدد ہوتی ہے، اس لحاظ سے یہ بھی ایک طرح کا صدقہ اور احسان ہے۔ عارضی مدد بھی بعض اوقات بڑی اہمیت رکھتی ہے۔ اسی اہمیت کو یہاں واضح کیا گیا ہے۔

دوسرے یہ کہ حدیث میں گو کہ کسی غریب کو جانور کے دودھ سے فائدہ اٹھانے کی اجازت دینے کا ثواب بیان ہوا ہے۔ لیکن یہی حکم اس بات کا بھی ہے کہ کس کو جانور کے بال، اون، کھاد اور اس کے بچہ سے فائدہ حاصل کرنے کی اجازت دی جائے[۴]

تیسرے یہ کہ عرب کی معاشی زندگی میں دودھ والے جانور کی بڑی اہمیت تھی اس لیے اس کا یہاں ذکر کیا گیا ہے آج اس کی جگہ زراعتی ساز و سامان اور صنعتی اوزار اور مشینوں نے لے لی ہے۔ ان کا عاریتاً فراہم کرنا بھی اسی حکم میں آئے گا۔

ایک ہی نوعیت کی دو چیزیں دینا

حدیث میں اس کی بڑی فضیلت آئی ہے، کہ آدمی اللہ کی راہ میں جو چیز بھی دے وہ ایک سے دو دے۔ حضرت ابو ہریرہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

۱؎ معنی قولہ۔ من منح منیحۃ ورق انما یعنی بہ قرض الدراہم (ترمذی حوالہ سابق)
۲؎ ابن منظور: لسان العرب، مادہ زقق ۳؎ ابن اثیر: النہایہ فی غریب الحدیث ۲/۲۴۴
۴؎ فیروز آبادی: قاموس: مادہ م،ن،ح۔ ابن اثیر: النہایہ فی غریب الحدیث ۴/۱۱۰

من انفق زوجین فی سبیل الله نودی من ابواب الجنة یا عبد الله هذا خیر[1]	جو شخص اللہ کی راہ میں کوئی بھی دو چیزیں دے اسے جنت کے دروازوں سے آواز دی جائے گی کہ اے اللہ کے بندے یہ ہے کارِ خیر (یعنی تم نے نیکی کا بڑا کام انجام دیا ہے۔)

حضرت ابوذرؓ کی ایک روایت میں ہمیں اس کی تفصیل ملتی ہے۔ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

ما من عبدٍ مسلمٍ ینفق من کل مالٍ له زوجین فی سبیل الله الا استقبلته حجبة الجنة کلهم یدعوه الی ما عنده، قلت وکیف ذلک قال ان کانت ابلاً فبعیرین وان کانت بقرة فبقرتین[2]	جو بندۂ مسلم بھی اپنے ہر مال میں سے ایک جوڑا اللہ کے راستہ میں خرچ کرے گا قیامت کے روز جنت کے دربان اس کا ہر طرف سے استقبال کریں گے ان میں سے ہر ایک اسے ان نعمتوں کی دعوت دے گا جو اس کے پاس ہوں گی۔ میں نے دریافت کیا کہ ایک جوڑا خرچ کرنے کا کیا مطلب ہے! فرمایا (جیسے) اگر اونٹ ہوں تو دو اونٹ گائیں ہوں تو دو گائیں۔

ان احادیث کا ایک پہلو یہ ہے کہ ان میں انفاق کی فضیلت بیان ہوئی ہے اور صاحب مال کو اس بات کی ترغیب دی گئی ہے کہ وہ اللہ کی راہ میں زیادہ سے زیادہ خرچ کرے۔

ان کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ ان میں سوسائٹی کے کمزور طبقات کی ضرورتوں کو سامنے رکھا گیا ہے اور صاحب حیثیت افراد کو انھیں پورا کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔ آدمی کی ضروریا

---

[1] بخاری کتاب الصوم۔ باب الریّان للصائمین۔ مسلم کتاب الزکوۃ۔ باب من ضمّ الی الصدقة الخ

[2] نسائی، کتاب الجہاد۔ باب فضل النفقة فی سبیل۔

کبھی اس بات کا تقاضا کرتی ہیں کہ اسے ایک ہی نوعیت کی دو چیزیں دی جائیں۔ جیسے ہل جوتنے، سینچائی کرنے یا سامان ڈھونے والی گاڑی کے لیے دو بیلوں یا دو بھینسوں کی ضرورت پیش آتی ہے، یہ بھی ممکن ہے کہ کسی کے اخراجات ہی اتنے زیادہ ہوں کہ اس کے لیے دودھ والی ایک گائے یا بھینس نہ کافی ہو، ظاہر ہے جس کی جتنی بڑی ضرورت پوری کی جائے گی اس کا اتنا ہی بڑا اجر و ثواب ہوگا۔ حدیث میں راہ خدا میں ایک سے دو گائیں دینے کا ثواب بیان ہوا ہے، اسے ایک مثال سمجھنا چاہیئے ' زوجین ' کے لفظ کے اندر وسعت ہے اس کا مطلب ہے ایک جنس کی دو چیزیں۔ اس میں روپیہ، پیسہ، کپڑا اور دیگر ساز و سامان بھی شامل ہے۔ اس میں زراعت کے آلات اور مشینیں وغیرہ بھی آسکتی ہیں۔

بعض لوگوں نے فی سبیل اللہ سے جہاد مراد لیا ہے لیکن جیسا کہ قاضی عیاض نے لکھا ہے، زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ ان الفاظ میں نیکی اور حسن سلوک کے سارے کام آجاتے ہیں۔[۱]

کاروبار میں شریک کرنا

کاروبار کے لیے سرمایہ اور محنت دو چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ کبھی آدمی کے پاس سرمایہ تو ہوتا ہے لیکن جس قسم کی محنت کرنی چاہیے وہ نہیں کر پاتا، کبھی محنت کے قابل تو ہوتا ہے لیکن مطلوبہ سرمایہ مفقود ہوتا ہے۔ محنت اور سرمایہ مناسب مقدار میں جمع ہو تو کاروبار چل سکتا ہے ورنہ نہیں چل سکتا۔ محنت اور سرمایہ کو جمع کرنے کی ایک صورت یہ ہے کہ سرمایہ دار سرمایہ فراہم کرے اور محنت کرنے والا محنت کرے اور نفع میں دونوں شریک ہوں۔ اس کو شریعت کی اصطلاح میں مضاربت کہا جاتا ہے، مضاربت کی تعریف علامہ ابن اثیر نے ان الفاظ میں کی ہے

المضاربة ان تعطی مالاً	مضاربت یہ ہے کہ تم کسی کو مال دو تاکہ
لغیرك یتجر فیه فیکون	وہ اس سے تجارت کرے اور اس میں
له سهم معلوم[۲]	اس کا ایک متعین حصہ ہو۔

---

[۱] نووی: شرح مسلم: ۱/ ۳۲۰ فی سبیل اللہ کے بعض پہلوؤں کی طرف حافظ ابن حجر نے بھی اشارہ کیا ہے۔ فتح الباری: ۷/ ۱۹
[۲] النهاية فی غريب الحديث: ۳/ ۱۴

ہدایہ میں ہے کہ ایک جانب سے مال اور دوسری جانب سے عمل کی بنیاد پر نفع میں شرکت کو مضاربت کہا جاتا ہے۔ اس کی ضرورت اور شرعی حیثیت پر اس طرح اظہار خیال کیا گیا ہے کہ مضاربت اس لیے جائز رہی ہے کہ لوگ دو طرح کے ہوتے ہیں۔ بعض لوگوں کے پاس مال تو ہوتا ہے لیکن صحیح طریقہ سے وہ اس کا استعمال نہیں کر سکتے، بعض لوگ اس کا صحیح استعمال تو جانتے ہیں لیکن خالی ہاتھ ہوتے ہیں، اس لیے مضاربت کی ضرورت پیش آتی ہے تاکہ ناسمجھ اور سمجھ دار، محتاج اور دولت مند دونوں طرح کے لوگوں کی ضروریات پوری ہوں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت اس پر عمل ہو رہا تھا۔ آپ نے اسے باقی رکھا اور صحابہ نے اس پر عمل کیا۔[1]

صحابہ کے اس پر عمل کا ثبوت حضرت عبداللہ بن ہشام کی روایت سے ملتا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ بچپن میں ان کی والدہ انھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے گئیں۔ آپؐ نے ان کے سر پر محبت سے ہاتھ پھیرا اور برکت کی دعا فرمائی۔ اس کے اثر سے کاروبار میں انھیں بڑا فائدہ ہوتا تھا۔ ان کے پوتے زہرہ بن معبد کہتے ہیں کہ میں اپنے دادا کے ساتھ بازار جایا کرتا تھا، وہ غلہ خریدتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت عبداللہ بن زبیرؓ ان سے ملاقات کرتے اور کہتے کہ اس سودے میں ہمیں بھی شریک کر لو۔ بعض اوقات وہ ایک اونٹ کے بوجھ کے برابر سامان نفع میں حاصل کر کے گھر بھیجتے تھے۔[2]

علامہ ابو القاسم خرقی فرماتے ہیں کہ کاروبار میں شرکت کا جواز کتاب، سنت اور اجماع تینوں سے ثابت ہے، علامہ ابن قدامہ حنبلی نے لکھا ہے کہ شرکت کے جواز پر مسلمانوں کا فی الجملہ اجماع ہے، اختلاف ہے تو اس کی بعض شکلوں کے بارے میں ہے۔[3]

شرکت سرمائے میں بھی ہو سکتی ہے اور محنت میں بھی۔ دونوں کی بڑی اہمیت ہے آج کے دور میں کاروبار اتنا پیچیدہ ہو گیا ہے کہ آدمی چھوٹے موٹے سرمایہ سے کوئی بڑا کاروبار نہیں کر سکتا، جو لوگ بڑا کاروبار کرنا چاہتے ہیں وہ اپنا سرمایہ یکجا کر کے کمپنیاں قائم کرتے ہیں، ان ہی کمپنیوں کے ذریعہ بڑے کاروبار ہوتے ہیں۔ سرمایہ لگانے والے ان میں شریک اور حصہ دار

---

[1] ہدایہ : ۲۵۵/۳ [2] بخاری کتاب الشرکۃ، باب الشرکۃ فی الطعام وغیرہ

[3] المغنی : ۳/۵

سمجھے جاتے ہیں۔ خدمت خلق کی ایک شکل یہ بھی ہے کہ ایسی کمپنیاں قائم ہوں جس میں کم پیسے والے بھی شریک ہو کر ترقی کر سکیں۔

موجودہ دور میں فنی مہارت اور صنعتی تجربہ نے غیر معمولی اہمیت اختیار کر لی ہے اس کے بغیر کوئی کارخانہ یا فیکٹری نہیں چلائی جا سکتی۔ بڑے بڑے صنعتی اداروں میں تو مختلف قسم کے فنی ماہرین کی ضرورت پیش آتی ہے، بعض اوقات محض سرمایہ نہ ہونے کی وجہ سے اس طرح کے ماہرین صنعتی میدان میں آگے نہیں بڑھ پاتے، ان کے ساتھ تعاون کی ایک بہترین شکل یہ ہے کہ سرمایہ دار اپنی صنعت میں انھیں حصہ دار بنائیں اور شرکت کی بنیاد پر ان کا تعاون حاصل کریں لیکن آج کا سرمایہ دارانہ ذہن کسی کو ملازم تو رکھ سکتا ہے لیکن کاروبار میں شریک نہیں کر سکتا۔

زراعت میں شریک کرنا

زراعت اور کھیتی باڑی میں بھی شرکت ہو سکتی ہے۔ موجودہ دور میں بڑے بڑے فارموں کے وجود میں آنے، زراعت کے طریقوں کے بدل جانے اور مشینوں اور آلات کے عمل دخل کی وجہ سے اس کی اہمیت بڑھ گئی ہے۔ احادیث میں بٹائی پر زراعت کرنے کا ثبوت ملتا ہے۔ اس کی شکل یہ ہے کہ ایک شخص کی زمین پر دوسرا شخص زراعت کرے، باغ ہو تو اس کی دیکھ بھال اور ضروریات کا انتظام کرے اور جو آمدنی ہو وہ طے شدہ شرائط کے مطابق دونوں کے درمیان تقسیم ہو جائے۔

حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے کہ ہجرت کے بعد انصار نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ ہمارے کھجور کے باغات کو آپ ہمارے اور مہاجرین کے درمیان تقسیم فرما دیجئے۔ آپؐ نے فرمایا یہ نہیں ہوگا، اس پر انصار نے کہا کہ مہاجرین ان باغات کی دیکھ بھال اور آب پاشی کا نظم کریں اور جو فصل آئے وہ ہمارے اور ان کے درمیان تقسیم ہو جائے، اسے مہاجرین نے تسلیم کر لیا۔[1]

حضرت ابوجعفر باقرؒ فرماتے ہیں کہ مدینہ میں مہاجرین کے جتنے خاندان تھے سب ہی ایک تہائی چوتھائی (جیسے طے ہو) پر زراعت کرتے تھے (صحابہ میں) حضرت علیؓ، حضرت سعدؓ، حضرت

---

[1] بخاری، کتاب المزارعہ، باب اذا قال اکفنی مؤنۃ النخل وغیرہ

عبداللہ بن مسعودؓ (تابعین میں) عمر بن عبدالعزیز، قاسم بن محمد، عروہ بن زبیر اور حضرت ابوبکرؓ حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ کے گھرانوں کے افراد اور ابن سیرین نے اس پر عمل کیا ہے۔

عبدالرحمٰن بن اسود کہتے ہیں کہ میں عبدالرحمٰن بن یزید کے ساتھ زراعت میں شرکت کرتا تھا۔ حضرت عمرؓ باغات اور زمینوں کو بٹائی پر اس شرط کے ساتھ دیتے تھے کہ اگر بیج وغیرہ ان کے ذمہ ہو تو پیداوار کا نصف ان کا ہوگا لیکن اگر کاشت کار کھیتی کا سامان ہل وغیرہ اور بیج فراہم کریں تو وہ دو تہائی کے اور حضرت عمرؓ ایک تہائی کے حق دار ہوں گے۔

حضرت حسن بصری فرماتے ہیں کہ اس میں بھی کوئی حرج نہیں ہے کہ زمین دار اور کسان دونوں مل کر خرچ کریں اور جو آمدنی ہو وہ طے شدہ شرائط کے مطابق تقسیم ہو جائے۔ امام زہری کی بھی یہی رائے ہے۔

حسن بصری کہتے ہیں کہ اس شرط پر کپاس چنی جا سکتی ہے کہ محنت کرنے والا (مثال کے طور پر) نصف کا مالک ہوگا۔ ابن سیرین، عطاء، حکم، زہری اور قتادہ کہتے ہیں کہ اس میں کوئی حرج نہیں کہ بنکر کو سوت اس شرط پر فراہم کیا جائے کہ تیار شدہ کپڑے کا ایک تہائی یا چوتھائی اسے ملے گا۔

معمر کہتے ہیں کہ ایک متعین مدت کے لیے جانور اس شرط پر دئے جا سکتے ہیں کہ جو آمدنی ہوگی اس کا تہائی یا چوتھائی مالک کو ملے گا۔[1]

ان تفصیلات سے اندازہ ہوتا ہے کہ اسلام نے ایسا ماحول پیدا کیا تھا کہ اس میں وسائل و ذرائع اور قوت و صلاحیت سے یکساں فائدہ اٹھایا جاتا تھا، ہمارے معاشرے کی خرابی یہ ہے کہ جو وسائل و ذرائع موجود ہیں ان کا صحیح استعمال نہیں ہوپاتا اور جو صلاحیتیں پائی جاتی ہیں وہ بھی منجمد پڑی رہتی ہیں۔ جس معاشرہ میں وسائل و ذرائع اور محنت و صلاحیت دونوں سے فائدہ اٹھایا جائے اس کی راہ کی رکاوٹیں دور ہوتی چلی جاتی ہیں اور وہ ترقی کی منزلیں

---

[1] بخاری، کتاب المزارعۃ، باب المزارعۃ بالشطر ونحوہ۔ تفصیل کے لیے دیکھی جائے۔ فتح الباری ۵/ ۹۷۷ زمین کے معاملے میں مشارکت امام ابوحنیفہ کے نزدیک صحیح نہیں ہے لیکن صاحبین (امام یوسف اور امام محمد) نے اسے جائز قرار دیا ہے، فقہ حنفی کا فتویٰ صاحبین ہی کے قول پر ہے۔ ہدایہ ۳/ ۴۲۲ - ۴۲۳ دیگر ائمہ نے بعض جزوی اختلافات کے باوجود اسے جائز قرار دیا ہے، تفصیلات سے یہاں بحث نہیں کی گئی ہے۔

لے کرنے لگتا ہے۔

مشورہ دینا

انسان قدم قدم پر اچھے مشورہ کا محتاج ہوتا ہے۔ تعلیم، صنعت و حرفت، تجارت، زراعت، سفر، مرض و صحت غرض یہ کہ زندگی کے بہت سے معاملات میں اسے مشورے کی ضرورت پیش آتی ہے، موجودہ دور کے قوانین اور ضابطوں نے ہر معاملہ میں اتنی پیچیدگیاں پیدا کر دی ہیں کہ آدمی اس کے تمام پہلوؤں سے کما حقہٗ واقف نہیں ہو پاتا۔ بعض اوقات صحیح مشورہ نہ ملنے کی وجہ سے بڑی زحمتیں اور نقصانات اٹھانے پڑتے ہیں۔ اسی وجہ سے مختلف مسائل میں مشورہ دینے کے لیے آج بڑے بڑے ادارے قائم ہیں۔ حدیث میں کسی کو بروقت صحیح اور ٹھیک مشورہ دینے کی فضیلت آئی ہے، ایک حدیث میں ہے۔

من دل علی خیر فلہ نصف اجر فاعلہ [۱]	جس نے کسی خیر کی طرف راہنمائی کی تو اسے اس پر عمل کرنے والے کا نصف ثواب ملے گا۔

اسی طرح جانتے بوجھتے اور دیدہ و دانستہ غلط مشورہ دینے کو خیانت سے تعبیر کیا گیا ہے، حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

من اُفتی بغیر علم کان اثمہ علی من اَفتاہ ومن اشار علی اخیہ بامرٍ یعلم ان الرشد فی غیرہ فقد خانہ [۲]	جس شخص کو بغیر علم کے فتویٰ دیا گیا (اور اس نے اس پر عمل کیا) تو گناہ اس شخص پر ہوگا جس نے فتویٰ دیا جس نے اپنے بھائی کو یہ جانتے ہوئے کسی بات کا مشورہ دیا کہ اس کا فائدہ اور بھلائی دوسری بات میں ہے تو اس نے اس کے ساتھ خیانت کی۔

موجودہ تہذیب و تمدن نے جو مسائل پیدا کر دیئے ہیں وہ بڑے پیچیدہ ہیں لیکن ہمارے یہاں ایسے ادارے نہیں ہیں جو ان کے سلسلے میں صحیح رہنمائی کریں اور جدید اسباب و وسائل

[۱] مسلم، کتاب الامارۃ، باب فضل اعانۃ الغازی۔
[۲] ابوداؤد، کتاب العلم، باب التوقی فی الفتیا۔

سے فائدہ اٹھانے کی تدبیریں بتائیں اور اس سلسلے میں اسلامی نقطۂ نظر واضح کریں۔

مظلوم کی مدد کرنا

خدمت خلق کی ایک شکل یہ بھی ہے کہ معاشرہ میں جن افراد اور طبقات پر ظلم ہو رہا ہو ان کی مدد کی جائے۔ اسلام ہر طرح کے ظلم کے خلاف ہے۔ وہ ایک طرف تو ظلم کے ارتکاب سے سختی سے منع کرتا ہے اور دوسری طرف اس بات کی ہدایت کرتا ہے کہ کسی پر زیادتی ہو تو معاشرہ اسے خاموشی سے برداشت نہ کرے، ظالم کے خلاف آواز اٹھائے، اسے ظلم سے باز رکھے، مظلوم کو اس کی چیرہ دستی سے بچائے اور اس کی ہر ممکنہ مدد کرے[1] حضرت براء بن عازب فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں سات باتوں کا حکم دیا۔ اس میں ایک بات یہ تھی کہ مظلوم کی مدد کی جائے[2]

امام نوویؒ نے مظلوم کی مدد کو فرض کفایہ قرار دیا ہے اور اسے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں شمار کیا ہے[3] اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی کی جان و مال پر زیادتی ہو، اس کی عزت و آبرو پر حملے ہوں، اس کا گھر لوٹا جا رہا ہو یا اس کی جائداد نذر آتش کی جا رہی ہو تو آس پاس کے لوگوں کا فرض ہے کہ اس کی مدد کے لیے کھڑے ہو جائیں۔ اگر کچھ لوگوں کا خاطر خواہ تعاون اسے حاصل ہو جائے تو یہ فرض سب سے ساقط ہو جائے گا لیکن اگر کسی نے بھی اس کی مدد نہ کی تو سب کے سب گناہ گار ہوں گے۔

مظلوم کی مدد کی بہت سی صورتیں ہو سکتی ہیں، قانونی بھی اور اخلاقی بھی، معاشی حالت کا ٹھیک کرنا بھی اس میں داخل ہے اور نفسیاتی طور پر اسے یہ یقین دلانا بھی اس میں آتا ہے کہ وہ سوسائٹی میں یکا و تنہا نہیں ہے۔ اس پر ظلم ہو تو اسے روکنے کی کوشش کی جائے گی اور اس کی مشکلات میں اس کا ساتھ دیا جائے گا۔ جس سوسائٹی میں مظلوم کی خدمت اور نصرت کا یہ عزم اور حوصلہ ہو وہ وحشت و بربریت سے پاک ہو گی اور اس میں کم زور سے کم زور انسان بھی بے بسی کی زندگی گزارنے پر مجبور نہ ہو گا۔

---

[1] تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو۔ راقم کا مقالہ 'اسلام کم زور کی حفاظت کرتا ہے' تحقیقات اسلامی شمارہ ۲ - اپریل - جون ۱۹۸۶ء

[2] امرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بسبع ونہانا عن سبع، امرنا بعیادۃ المریض۔ .... ونصر المظلوم۔ بخاری، کتاب الادب باب تشمیت العاطس اذا حمد اللہ۔ مسلم، کتاب اللباس والزینۃ، باب تحریم استعمال اناء الذہب الخ

[3] شرح مسلم ۲/۱۸۸۔ مظلوم کی مدد کن حالات میں فرض ہو جاتی ہے اور کن حالات میں وہ فرض نہیں رہتی صرف اس کا جواز باقی رہتا ہے۔ مظلوم کی مدد کب اور کس وقت ہونی چاہیئے اس کی تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو فتح الباری ۶/۱۵